29

جمعہ اور عیدین کی نمازیں قُربِ الٰہی حاصل کرنے کے علاوہ قومی مشکلات کو جاننے اور انہیں دُور کرنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں

(فرمودہ 21راگست 1953ء بمقام کراچی)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو جائز ہے کہ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھ لی جائے 1۔ لیکن یہ بھی جائز ہے کہ عید اور جمعہ دونوں پڑھ لیے جائیں 2۔ کیونکہ ہماری شریعت نے ہر امر میں سہولت کو مدنظر رکھا ہے۔ چونکہ عام نمازیں اپنے اپنے محلوں میں ہوتی ہیں لیکن جمعہ کی نماز میں سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اِسی طرح عید کی نماز میں بھی سب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور ایک دن میں دو ایسے اجتماع جن میں دُور دُور سے لوگ آکر شامل ہوں مشکلات پیدا کرسکتا ہے اس لیے شریعت نے اجازت دی ہے کہ اگر لوگ برداشت نہ کرسکیں تو جمعہ کی بجائے ظہر پڑھ لیں۔ بہرحال اصل غرض شریعت کی یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ عرصہ کے لیے اکٹھے بیٹھ سکیں۔ کیونکہ اسلام صرف دل کی صفائی کے لیے

نہیں آیا۔ اسلام قومی ترقی اور معاشرت کے ارتقاء کے لیے بھی آیا ہے۔ اور قوم اور معاشرت کا پتا بغیر اجتماع میں شامل ہونے کے نہیں لگ سکتا ہے۔ ایک انسان اپنے گھر میں بیٹھے خواہ کتنا ہی اللہ اللہ کرتا رہے، کتنا ہی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے جب تک وہ اپنے ہمسایہ سے نہیں ملتا اُس وقت تک اسے اپنے ہمسایہ کی مصیبتوں اور اُس کی مشکلات کا علم نہیں ہوسکتا۔ لیکن جب وہ ملتا ہے تب اُسے پتا لگتا ہے کہ دنیا میں کن حالات میں سے لوگ گزر رہے ہیں۔ مثلاً ابھی پیچھے ملک میں تفرقہ پیدا ہوا اور لاکھوں لاکھ آدمی اُدھر سے اِدھر آ گئے اور لاکھوں لاکھ اِدھر سے اُدھر چلے گئے۔ اخباروں میں پڑھنے سے اور لوگوں کے حالات سننے سے کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہوتا تھا کہ مہاجرین کو کیا کیا تکالیف ہیں اور وہ کن مصیبتوں میں سے گزر رہے ہیں۔ لیکن دیکھنے سے کچھ اَور ہی اندازہ ہوتا ہے۔

مجھے یاد ہے 1948ء میں مَیں کسی سفر پر لاہور سے گیا۔ واپسی پر لاہور سے چالیس میل کے فاصلے پر میں نے ہزاروں آدمیوں کا اجتماع دیکھا جو کھلے میدان میں بانس کھڑے کر کے اور اُن کے اوپر چادریں تان کر ڈیرہ ڈالے پڑے تھے۔ مجھے وہ اجتماع کچھ عجیب سا معلوم ہوا۔ بظاہر اُن کی شکل ایسی ہی تھی جیسے خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ مگر ان کی اتنی تعداد نہیں ہوا کرتی۔ میں نے اپنے بعض ساتھیوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہی خانہ بدوش قومیں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اُن کے اِس جواب سے میرے دل کو تسلی نہ ہوئی۔ اور میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ مہاجرین ہیں جو اس طرح کھلے میدان میں بانس گاڑ کر اور اُن کے اوپر چادریں ڈال کر ہزاروں کی تعداد میں یہاں ڈیرہ ڈالے پڑے ہیں حالانکہ اُس وقت تک ہجرت پر آٹھ نو مہینے گزر چکے تھے۔ مگر باوجود اِس کے کہ اُس وقت تک آٹھ نو مہینے گزر چکے تھے ابھی تک وہ لوگ چادریں تان کر میدان میں گزارہ کر رہے تھے۔ جب میں نے اُن کو دیکھا اُس وقت سردی کا موسم گزر چکا تھا اور گرمی کا موسم شروع تھا۔ گویا ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر اور پھر جنوری، فروری، مارچ اور اپریل آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔ مئی یا جون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور ابھی وہ لوگ اِس طرح کھلے میدانوں میں پڑے تھے کہ انہیں اپنی رہائش کے لیے جھونپڑی تک بھی میسر نہیں تھی۔ میرے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہزاروں آدمی اس طرح اپنی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ لیکن اُس وقت اُن لوگوں کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مہاجرین کی کیا حالت ہے۔ اور وہ کیسی تکلیف سے

اپنی زندگی کے دن بسر کر رہے ہیں۔

پھر اب جو میں کراچی آ رہا تھا تو جب حیدرآباد کے پاس ریل پہنچی میں نے دیکھا کہ ہزاروں ہزار جھونپڑیاں جو محض تنکوں کی بنی ہوئی تھیں اُن میں بارش کی وجہ سے اتنا پانی بھرا ہوا تھا کہ جہاں تک نظر جاتی تھی پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ اور جو جھونپڑیوں کے درمیان گلیاں سی بنائی گئی تھیں اُن میں بھی گھٹنوں گھٹنوں تک پانی چل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اُس وقت وہ لوگ اپنے جھونپڑوں سے نکل کر اپنے اپنے ہمسائیوں کے ساتھ کھڑے اِس مزے سے باتیں کر رہے تھے جیسے کوئی اعلیٰ درجہ کی گلیوں میں کھڑا ہو۔ اِس نظارہ کو دیکھ کر تعجب بھی ہوا کہ ایسی حالت میں بھی ان کے دلوں میں کتنا جوش پایا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کی حالت کو دیکھ کر سخت صدمہ بھی محسوس ہوا کہ اتنا لمبا عرصہ گزر جانے کے باوجود حکومت نے اب تک ان کو بسانے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ ہر حکومت جب قائم ہوتی ہے تو وہ بڑے زور سے اعلان کرتی ہے کہ وہ مہاجرین کی آبادی کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دے گی۔ مگر متواتر اعلانات کے باوجود مہاجرین کی آبادکاری کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ پھر وہ وزارت بدل جاتی ہے اور دوسری وزارت آ جاتی ہے اور وہ بھی ایک ایسا ہی اعلان کر دیتی ہے۔ مگر عملی رنگ میں وہ بھی کوئی کام نہیں کرتی اور صرف الفاظ سے مہاجرین کو تسلی دلانے کی کوشش کرتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اِس میں مشکلات کیا ہیں اور کیوں ان مہاجرین کو اب تک باعزت طریق پر بسایا نہیں جا سکا۔

ہم پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ربوہ کی زمین جو ایک ہزار سال سے آباد نہیں ہوئی تھی اور جس کو گورنمنٹ نے کئی دفعہ ٹھیکہ پر بھی دیا تا کہ لوگ اسے کسی طرح آباد کریں مگر ٹھیکہ دار بیس بیس، تیس تیس ہزار روپیہ لگا کر بھاگ گئے اِس زمین کو خرید کر ہم نے پاکستان کو لُوٹ لیا۔ اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ہم نے اِس زمین کو آباد کرنے اور اپنی جماعت کے مہاجرین کو بسانے کے لیے کتنے لاکھ روپیہ خرچ کیا۔ ان لوگوں میں جو گھاس پھوس کے جھونپڑوں میں رہائش رکھ رہے ہیں گاؤں کے نمبردار بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو ہندوستان میں سوسو ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کی آمد رکھتے ہوں گے۔ مگر واقع یہ ہے کہ ہمارے ربوہ کے ایک چوہڑے کا مکان بھی اُن کے جھونپڑوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ ہم نے تین چار لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ خرچ کر کے

لوگوں کی رہائش کے لیے پہلے عارضی مکانات بنائے اور پھر لاکھوں لاکھ روپیہ خرچ کر کے عارضی مکانات کو مستقل مکانات میں تبدیل کیا۔ غالباً اِس وقت تک چالیس پچاس لاکھ روپیہ خرچ ہو چکا ہوگا یا شاید اِس سے بھی زیادہ۔ لوگوں نے اعتراض بھی کیے اور کہا کہ قوم کا روپیہ ضائع کیا جارہا ہے اور اس کے خرچ میں اِسراف سے کام لیا جارہا ہے۔ مگر مَیں نے اِس کی پروا نہیں کی کیونکہ میں نے سمجھا کہ اِس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ لوگ جو بے گھر ہو چکے ہیں اُن کی رہائش کا انتظام کیا جائے۔ ہم لوگ تو خود مہاجر تھے۔ اگر ہم نے اپنے لیے یہ انتظام کر لیا تو کیا وجہ ہے کہ گورنمنٹ اِس قسم کا انتظام نہیں کر سکتی۔

اصل بات یہ ہے کہ گورنمنٹ اپنی آنکھوں سے ان کے حالات کو نہیں دیکھتی۔ مجھے پہلے یقین نہیں آتا تھا کہ ہزاروں ہزار مہاجر ابھی اس بے کسی کی حالت میں پڑے ہیں کہ انہیں اپنا سر چھپانے کے لیے بھی جگہ نہیں مل رہی۔ لیکن دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ ان کی ایسی حالت ہے کہ انسانیت کی اس سے زیادہ بے عزتی ناممکن ہے۔ پاکستان کے قیام پر چھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اب ساتواں سال شروع ہے۔ اِس چھ سال کے عرصہ میں ابھی تک گورنمنٹ اس قابل نہیں ہوئی کہ لوگوں کو عارضی مکانات ہی دے سکے۔ حالانکہ عارضی مکانات بنانے پر کچھ زیادہ روپیہ خرچ نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ دس لاکھ مہاجر ابھی تک آباد نہیں ہوئے تو چونکہ اوسط آبادی انسان کے خاندان کی چار پانچ سمجھی جاتی ہے اس لیے دس لاکھ مہاجرین کی آبادی کے یہ معنے ہیں کہ ہمیں ان کے لیے دو لاکھ مکانوں کی ضرورت ہے۔ ہم نے ربوہ میں تجربہ کیا ہے کہ بارہ بارہ سو میں ایک کچا مکان بن سکتا ہے۔ ایسا مکان کہ جس میں دو کمرے ہیں، غسل خانہ ہے، پاخانہ ہے۔ باورچی خانہ ہے اور چار دیواری ہے۔ اگر مہاجرین کے لیے صرف ایک کمرہ پر کفایت کر لی جائے اور مکانات کی تعمیر میں خود اُن سے بھی مدد لی جائے تو ایک مکان پر اس سے بھی کم رقم خرچ ہوسکتی ہے۔ اگر صرف ایک کمرہ رکھا جائے اور اس کے ساتھ غسل خانہ، پاخانہ اور باورچی خانہ بھی بنایا جائے اور مزدوری کے کاموں میں مہاجرین سے بھی مدد لی جائے تو میرے خیال میں چار سو روپیہ میں اِس قسم کا مکان بن سکتا ہے جس میں انسان بارش سے بچ سکتا ہے، سردی، گرمی کے اثرات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور اپنی زندگی باعزت طریق پر بسر کر سکتا ہے۔ اِس طرح دو لاکھ مکانات پر

آٹھ کروڑ روپیہ خرچ ہوگا۔ مگر اس آٹھ کروڑ کے نتیجہ میں جتنا کام وہ اب کر رہے ہیں اس سے دُگنا کام کرنے کے وہ قابل ہو جائیں گے۔ اور جتنی کمائی وہ اب کرتے ہیں اس سے دگنی کمائی کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اور نہ صرف مہاجرین کی حالت سدھرے گی بلکہ ہمارے ملک کی ترقی کی رفتار بھی پہلے سے تیز ہو جائے گی۔ ہمارے مُلک کا میزانیہ، اب سوا اَرب سے ڈیڑھ ارب تک جا چکا ہے۔ ایسے ملک کے لیے آٹھ دس کروڑ روپیہ قرض لے لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ یہ قرض آسانی سے دو چار سال میں اتارا جا سکتا ہے۔ ہمارے ملک کی طرف سے امریکہ کا بڑا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اس نے ہمارے لیے تیس کروڑ کی گندم کا انتظام کیا۔ اگر اُس کا دل اتنا نرم ہو سکتا ہے تو ہمارا دل اپنے بھائیوں کی مصیبت کو دیکھ کر کیوں نرم نہیں ہو سکتا۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ہم لوگ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں ہم یورپ اور امریکہ کی نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے جب ٹاؤن پلینر (Town Planner) یا پراونشل ٹاؤن پلینر (Provincial Town Planner) مقرر کیے جاتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ ایسی سکیم بنائیں جس پر زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ ہو۔ حالانکہ جب مصیبت آئے تو اُس وقت بڑی بڑی سکیمیں نہیں سوچی جاتیں بلکہ ساری کوشش صرف مصیبت کو دُور کرنے پر صَرف کی جاتی ہے۔ جب تک ہم ان لوگوں کی نقل کرتے رہیں گے جو ہم سے دو چار سو سال پہلے ترقی کے میدان میں آگے نکل چکے ہیں، اُس وقت تک ہم اپنے کاموں میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ ہم شام کو اپنے گھر سے نکلتے ہیں اور اُس شخص سے دوڑ کر ملنا چاہتے ہیں جو ہم سے بارہ گھنٹے پہلے نکل چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہماری کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

میں دیکھتا ہوں کہ یہاں عمارتوں کے لیے ایسے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں جو امریکہ اور نیویارک میں بھی نہیں۔ وہاں چھوٹی چھوٹی گلیاں بھی موجود ہیں، کم خرچ والی عمارتیں بھی موجود ہیں لیکن یہاں مجبور کیا جاتا ہے کہ فلاں طرز کی عمارتیں بنائی جائیں اور اتنی چوڑی گلیاں رکھی جائیں۔ حالانکہ ہمارے ملک میں زمینیں کم ہیں اور آدمی زیادہ ہیں۔ اگر ایسے ہی قوانین جاری رکھے گئے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ زمین ختم ہو جائے گی اور لوگ ابھی غیر آباد پڑے ہوں گے۔ یہ ساری خرابیاں اِسی بات کا نتیجہ ہیں کہ باہر نکل کر لوگوں کے حالات کو نہیں دیکھا جاتا اور گھر بیٹھ کر خیالی سکیمیں تجویز کر لی جاتی ہیں۔ حالانکہ خیالی دنیا بالکل اَور چیز ہے اور واقعاتی دنیا بالکل اَور چیز ہے۔

گھر بیٹھ کر اندازے لگانے والے کی ایسی ہی مثال ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص اپنے کنبہ کو لے کر دریا کے دوسری طرف جانے لگا تو کنارے پر بیٹھ کر پہلے اُس نے اربعہ3 لگایا کہ دریا میں کتنا پانی ہوگا۔ اس نے کنارے پر دیکھا کہ کتنا پانی ہے۔ پھر دریا کی چوڑائی کا اندازہ کیا اور حساب لگا کر فیصلہ کر لیا کہ دریا میں اتنا پانی ہوگا۔ حالانکہ دریاؤں میں عام طور پر کناروں پر چھوٹا پانی ہوتا ہے اور درمیان میں بڑا گہرا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے کنبہ کو لے کر دریا میں داخل ہوا تو ابھی بمشکل اس کے نصف تک ہی پہنچا تھا کہ گہرا پانی آ گیا اور اُس کا سارا کنبہ ڈوب گیا۔ یہ دیکھ کر وہ باہر نکلا اور کنارے پر بیٹھ کر پھر حساب کرنے لگا اور جب وہی حساب نکلا جو پہلے نکل چکا تھا تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ اربعہ توجُوں کا تُوں لگا ہے پھر کنبہ کیوں ڈوبا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خالی حسابوں سے کام نہیں چلا کرتا۔ ضرورت ہوتی ہے کہ انسان واقعاتی دنیا کو بھی دیکھے۔ اور اگر ہم واقعاتی دنیا کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم باہر نکلیں اور دیکھیں کہ لوگوں کا کیا حال ہے۔ ہمارے لیے یورپ کی نقل کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ہمارے لیے پہلا سوال یہ ہے کہ کسی طرح سب لوگ چھتوں کے نیچے بیٹھ سکیں تا کہ وہ سردی گرمی سے بچ سکیں، بارش آئے تو محفوظ رہ سکیں، سامان کو کمروں میں تالے لگا کر محفوظ کر سکیں۔ اس کے بعد یہ سوال آئے گا کہ اتنی چوڑی سڑکیں ہوں اور اتنی کھلی گلیاں ہوں۔

میں نے سنا ہے کہ اب حکومت کے افسر جمعہ وغیرہ میں جانے لگے ہیں جس سے اُنہیں لوگوں کے حالات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہونے لگا ہے۔ ورنہ اگر بڑے افسر لوگوں سے نہ ملیں تو ان کی وہی حالت ہوتی ہے جو فرانس کی ایک ملکہ کے متعلق مشہور ہے جسے بعد میں لوگوں نے مشتعل ہو کر مار ڈالا۔ وہ ایک دفعہ گزر رہی تھی کہ اُس نے دیکھا کہ ہزاروں ہزار آدمی جمع ہیں اور وہ شور مچا رہے ہیں۔ روٹی روٹی! ہزاروں کا اجتماع اور لوگوں کا شور سن کر وہ ٹھہر گئی اور اُس نے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں شور مچا رہے ہیں؟ اُس کے مصاحبوں نے بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں کھانے کے لیے روٹی نہیں ملتی۔ اُس نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگی کہ یہ بڑے بیوقوف لوگ ہیں اگر روٹی نہیں ملتی تو کیک کھا لیں۔ اُس نے چونکہ حقیقی دنیا نہیں دیکھی تھی اور وہ خود کیک اور پیسٹریاں کھاتی تھی اِس لیے اُس نے سمجھا کہ روٹی اور کیک پیسٹری یہ سب برابر کی چیزیں ہیں کبھی یہ مل گئی اور کبھی وہ مل گئی۔ یہی اُن لوگوں کا حال ہوتا ہے۔ جو گھر بیٹھ کر دنیا کے حالات کا اندازہ لگاتے ہیں۔ پس ضروری ہے

کہ لوگوں تک خود پہنچا جائے اوران کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ سنایا ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت میرے پاس آئی اور اس نے اپنے دکھ اور مصیبت کی داستان بیان کرنی شروع کی۔ وہ بار بار کہتی کہ میں اِس وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ اور میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میں سمجھتی ہوں میری مصیبت کا علاج سوائے آپ کے اَور کوئی نہیں کرسکتا۔ اگر آپ میری مدد کردیں تو میں اس مشکل سے نجات حاصل کرلوں گی۔ جب اُس نے اپنی مشکلات کا بار بار ذکر کیا تو میں نے چاہا کہ اُس سے پوچھوں کہ اُسے کتنی مدد کی ضرورت ہے۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہ سو، دوسو یا تین سو روپیہ مانگے گی۔ چنانچہ میں نے کہا مائی! میں نے تمہاری بات تو سن لی ہے اب تم اپنی ضرورت بھی بیان کرو کہ تمہیں کتنی مدد دی جائے؟ اِس پر اس نے کہا مجھے آٹھ آنے چاہیں۔ اُس کا یہ جواب میری آنکھیں کھولنے والا تھا کہ اِس دنیا میں ایسے غریب لوگ بھی موجود ہیں جنہیں اتنی معمولی مدد کے لیے بھی کئی منٹ تک اپنی مصیبت کی داستان بیان کرنی پڑتی ہے۔ میں نے اُس وقت سمجھا کہ اُس کے دل میں ہماری شقاوتِ قلبی کا کتنا یقین ہے یہ ہمیں اتنا شقی القلب سمجھتی ہے کہ خیال کرتی ہے کہ اتنی خطرناک حالت میں بھی کوئی شخص اُس کو آٹھ آنے دینے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔ دوسری طرف اُس کی غربت کتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اُسے آٹھ آنے کے لیے اتنی لمبی تمہید بیان کرنی پڑی۔

غرض ایسے امور کا اندازہ انسان لوگوں سے مل کر ہی کرسکتا ہے۔ اس لیے ہماری شریعت نے ہمارے لیے حج مقرر کیا ہے۔ جس میں ساری دنیا کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر عیدیں مقرر کیں جن میں شہر اور اُس کے اردگرد کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ پھر جمعہ مقرر کیا ہے جس میں سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں۔ لیکن جانے والے پھر بھی اِن اجتماعوں سے بہت کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہماری شریعت نے حکم دیا ہے کہ امراء اور قوم کے لیڈر جمعہ اور دوسری نمازیں خود پڑھایا کریں۔ مرکز میں مقدم حق خلیفہ وقت کا ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو اُس کے نائب پڑھائیں، ملک کے افسر پڑھائیں، امراء اور لیڈرانِ قوم پڑھائیں۔ اِس میں بھی بڑا مقصد یہی ہے کہ اجتماع میں جانے سے غرباء کی تکالیف نظر آجاتی ہیں۔ اور پھر اُن کو دُور کرنے کے لیے اجتماعی رنگ میں کوشش کی جاسکتی ہے۔ جب تک کسی لیڈر کو اظہارِ خیال کا موقع نہیں ملتا وہ چُپ کر کے واپس آجاتا ہے اور لوگوں کی تکلیف کو

دُور کرنے کے لیے عملی رنگ میں کوئی جدوجہد نہیں کرتا۔ لیکن اگر وہ مجلس میں جائے اور اُسے تقریریں کرنے کا موقع ملے تو اُس کے بعد اگر وہ غرباء کی تکالیف کو دیکھنے کے باوجود اُن کے حالات کے متعلق کچھ بولے گا نہیں تو لوگوں میں اُس کے متعلق چہ مگوئیاں شروع ہو جائیں گی کہ اُس نے ہمارے حالات کو دیکھا مگر پھر بھی اُس نے کچھ نہیں کہا اور اگر اُن کی تکالیف کو دیکھ کر وہ کچھ بولے گا تو اُسے کچھ نہ کچھ شرم آئے گی اور وہ کوشش کرے گا کہ عملی رنگ میں بھی اُن کی مشکلات کو دُور کرنے کی کوشش کرے۔ غرض وہ اگر کچھ نہیں کہے گا تو لوگوں میں اس کے خلاف شور پیدا ہوگا۔ اور اگر کچھ کہے گا تو پھر اُسے کچھ کرنا بھی پڑے گا۔ مگر اب یہ نہیں ہو رہا۔ اب مولویوں کا حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ نمازیں پڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امراء بہت کم نمازوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اور اگر کبھی مسجدوں میں آ جائیں تو لوگوں کے لیے ایک عجوبہ سا بن جاتا ہے۔ ایک غیر احمدی دوست ہیں۔ وہ جلسہ سالانہ پر آئے تو انہوں نے اپنی ایک نظم سنائی جس میں یہ مضمون تھا کہ پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم نماز کے لیے آئے تو لوگوں نے اِس طرح لپک لپک کر انہیں دیکھنا شروع کر دیا گویا نماز انہیں بھول گئی اور صرف ایک مقصد سامنے رہ گیا کہ کسی طرح وزیر اعظم یا گورنر جنرل انہیں مسکرا کر دیکھ لیں۔ لیکن بہر حال کام کرنے سے ہی ہوتے ہیں۔ اگر یہ طریق جاری رہے تو آہستہ آہستہ اس کے مفید نتائج بھی پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔

اصل چیز یہی ہے کہ قوم کے سردار خود نمازیں پڑھانے کے لیے آگے آئیں۔ مگر اب اس کو ایک پیشہ سمجھ لیا گیا ہے جو مولویوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اگر قوم کے سردار لوگوں کو نمازیں پڑھائیں تو جہاں نمازوں کے ذریعہ ایک طرف روحانیت پیدا ہوگی وہاں وہ قوم کی مشکلات اور اُس کی تکالیف کو دُور کرنے میں حصہ لیں گے اور اس طرح دین اور دنیا دونوں کا ایک لطیف امتزاج ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم غور کر کے دیکھیں تو جتنے بھی دنیوی کام ہیں ان میں اگر خدا تعالیٰ کا نام آ جائے تو وہ دینی کام بن جاتے ہیں۔ اور جتنے دینی کام ہیں ان میں دنیا کا بھی ایک حصہ رکھا گیا ہے۔ مثلاً ہم روٹی کھاتے ہیں، کپڑا پہنتے ہیں، جوتی بناتے ہیں، ہل چلاتے ہیں۔ اب یہ سب دنیوی کام ہیں۔ مگر رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر دنیوی کام سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھ لیا کرو [4]۔ اب اگر ہم بِسْمِ اللّٰہ کہہ کر روٹی کھاتے ہیں یا ہل چلاتے ہیں یا کپڑا پہنتے ہیں یا جوتی بناتے ہیں تو یہ سارے دنیوی کام دینی بن جاتے ہیں۔ اِسی طرح جتنے دینی کام ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی سمویا ہوا ہے۔

مثلاً روزے کا حکم دیا تو ساتھ صدقہ بھی رکھ دیا اور کہہ دیا کہ غرباء کو کھانا بھی کھلاؤ5۔ حج کا حکم دیا تو ساتھ قربانی رکھ دی اور کہہ دیا کہ لوگوں کو گوشت کھلاؤ6۔ اِسی طرح زکوٰۃ ہے یہ بھی عبادات میں شامل ہے۔ مگر اِس کا فائدہ بھی زیادہ تر قوم کے غرباء کو ہی پہنچتا ہے۔ پھر نمازیں ہیں ان میں بھی لوگوں کی اصلاح کا پہلو مدنظر رکھا گیا ہے۔ کیونکہ حکم دیا گیا ہے کہ قوم کے ائمہ کو بھی نمازیں پڑھانی چاہیں7۔ تا کہ وہ لوگوں کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور پھر اُن کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔

غرض ہر دنیوی کام میں دین کا اور ہر دینی کام میں دنیا کا اللہ تعالیٰ نے حصہ رکھا ہے۔ اور اُس نے دین اور دنیا کو اِس طرح ملایا ہے کہ روحانیت اور جسم دونوں کو ایک کر دیا ہے۔ کوئی شخص اسلام کو مان کر ایسی روحانیت اختیار نہیں کر سکتا جس میں وہ دنیا کو بالکل چھوڑ دے۔ اور کوئی شخص اسلام کو مان کر ایسی دنیا اختیار نہیں کر سکتا جس میں وہ روحانیت کو بالکل چھوڑ دے۔ غرض جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نمازیں نہ صرف قُربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں بلکہ قومی مشکلات کے معلوم کرنے اور پھر اُن کو دُور کرنے کا بھی ایک اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ اور ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے بلکہ عوام کی مشکلات کو دُور کرنے میں بھی عملی حصہ لے۔ حقیقت یہی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی نہ دنیا کے لحاظ سے کامیاب بسر کر سکتا ہے اور نہ دینی لحاظ سے جب تک اس کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہو۔ اِسی طرح کوئی شخص اپنی زندگی خدا تعالیٰ کے لیے بسر نہیں کر سکتا جب تک قوم کے لیے اور قوم کے افراد کے لیے قربانی اور ایثار کی روح اُس میں پیدا نہ ہو۔"

(المصلح 20 / اکتوبر 1953ء)

1: سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید

2: سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید

3: **اربعہ**: اربع لگانا: تین عددوں یا رقموں کی مدد سے چوتھا غیر معلوم عدد یا رقم دریافت کرنے کا قاعدہ (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد 1 صفحہ 349)

4: کنز العمال جلد 1 صفحہ 277۔ کتاب الاذکار ۔الکتاب الثانی فی الاذکار من قسم الاقوال ۔الباب السابع الفصل الثانی فی فضائل السور والآیات والبسملة۔ بیروت لبنان 1998ء میں "کل اَمرٍ ذی بالٍ لایبدأ فِیْہِ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرحیم اقطعُ" کے الفاظ ہیں۔

5: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرة:184، 185)

6: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (البقرة:197)

7: **المعجم الكبير۔ الطبرانی مااسند مرثدبن ابی مرثد الغنوی۔** جلد 20 صفحہ 328، نمبر 777 القاھرہ 1404ھ میں "فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ" کے الفاظ ہیں۔